شام و سحر

موجِ غزل کتابی سلسلہ نمبر ۳۰۴

مرتبہ
نوید ظفر کیانی


بسم الله الرحمن الرحيم

فیس بک عالمی ادبی گروپ موجِ غزل کے "طرحی مشاعرہ رنگ" کے تحت
منعقدہ مشاعرہ نمبر ۳۰۴ بتاریخ ۱۳ فروری ۲۰۲۲ء پر مبنی برقی کتاب

شام و سحر

موجِ غزل کتابی سلسلہ نمبر ۳۰۴

گروپ منتظمین:
ہاشم علی خان ہمدم
نوید ظفر کیانی
روبینہ شاہین بینا
نادیہ سحر

مرتبہ:
نوید ظفر کیانی

موجِ غزل پبلیکیشنز

mudeer.ai.new@gmail.com
https://archive.org/details/@nzkiani
https://www.facebook.com/groups/173610905663461 6/

فہرست



جدید لہجے کے قادر الکلام شاعر
کے نام، ایک شام
خوش آمدید
۳۰۴
مفعول مفاعیل مفاعیل فعولن
میزبان

پیش رس

شام و سحر

اِک عمر گزر جاتی ہے اِس دشت میں ہمدم
تصویرِ سخن، حرفِ ہنر یوں ہی نہیں ہے

وجدان ہوا نقشِ خیال تصویرِ سخن ہونے تک حرفِ ہنر کی ریاضت ہے۔ احساس کے دھارے پہ سفر یوں ہی نہیں ہے۔ موجِ غزل بحرِ سخن سے آب دار ہے۔ رموزِ خیال کی آبیاری خونِ جگر سے ہوتی ہے۔ موجِ غزل عالمی مشاعرہ نمبر ۳۰۴ طرحی مصرع ؎

یہ سلسلۂ شام و سحر یوں ہی نہیں ہے

پر سجایا گیا۔ یہ مصرع معروف شاعر روحی کنجاہی مرحوم کی غزل سے لیا گیا۔ روحی کنجاہی منفرد اسلوب کے حامل شاعر ہیں، جو پچھلے ہفتے خالقِ حقیقی سے جا ملے۔ اللہ اُن کے درجات بلند فرمائے۔ آمین۔ روحی کنجاہی کی ادبی خدمات ہمیشہ یاد رکھی جائیں گی۔ طرحی مصرع پہ خوب صورت کلام کہا گیا۔ اِس کلام پر مشتمل برقی کتاب پیش خدمت ہے۔

موجِ غزل کی کامیابی میں تمام منتظمین اور ممبران کی کاوش قابل قدر ہے۔ میں تمام احباب کا شکر گزار ہوں۔ اللہ نوید ظفر کیانی اور روبینہ شاہین بیناؔ صاحبہ کو شاد باد رکھے جن کی محنت سے خوب صورت اشاعت کا اہتمام کیا جاتا ہے۔ اللہ تمام اہلِ موجِ غزل کو اپنی امان میں رکھے۔ آمین۔

ہاشم علی خان ہمدم
منتظم موج غزل ادبی فورم



احمد منظورؔ

در پیش نیا کوئی سفر یونہی نہیں ہے
ویران پڑی راہ گزر یونہی نہیں ہے

نیلام گواہوں کے بیانات ہوئے ہیں
تفتیش مری بارِ دگر یونہی نہیں ہے

کیا کیا نہ ستم جھیلے ہیں لاچار بنے لوگ
دہشت کا سماں شام و سحر یوں ہی نہیں ہے

خوبی ہے مری شست پہ یا کوئی قباحت
مرکوز تری مجھ پہ نظر یوں ہی نہیں ہے

تفریق کی خواہش میں ہر اک شخص پریشاں
مایوس کئی دن سے یہ گھر یوں ہی نہیں ہے



دلشاد نسیمؔ

آیا ہے کوئی عشق نگر، یوں ہی نہیں ہے
کچھ دل پہ ہوا اس کے اثر، یوں ہی نہیں ہے

رہتے ہیں مرے کام، ہے اک شخص سے ملنا
میں آئی ہوں جو بارِ دگر یوں ہی نہیں ہے

سینے سے مرے دل بھی گیا نیند اڑی ہے
اخبار میں چوری کی خبر، یوں ہی نہیں ہے

جاں مانگے کبھی اور کبھی مانگے ترا دل
اس سچ کا مری جان اثر یوں ہی نہیں ہے

تیری ہی طرف جاتے ہیں رستے اس دل کے
پیروں میں یہ ان دیکھا سفر یوں ہی نہیں ہے

لکھ لکھ کے ترا نام اسے میں نے ہے پوجا
آنگن میں محبت کا شجر یوں ہی نہیں ہے

آ جاتے ہیں سوچوں کے یہ دیو زاد کہیں سے
تاریکی کا اس دل میں یہ ڈر یوں ہی نہیں ہے



ڈاکٹر نگار سلطانہ

اِس دل کے سمندر میں بھنور یوں ہی نہیں ہے
وہ رشکِ قمر، رشکِ قمر یوں ہی نہیں ہے

وہ جانِ جگر میرے لئے جانِ جگر ہے
مجھ سا بھی زمانے میں نڈر یوں ہی نہیں ہے

لکھ لکھ کے ترا نام مٹایا بھی بہت ہے
اِس دل میں محبت کا شجر یوں ہی نہیں ہے

احساس کے دھارے میں ہی جذبات ہیں پنہاں
اخبار کی سرخی میں خبر یوں ہی نہیں ہے

بنگال کا جادو ہے بھرا آنکھ میں شاید
مجھ پر بھی زمانے کی نظر یوں ہی نہیں ہے

اب جان لٹا کر بھی مجھے کچھ نہیں ملنا
یہ سلسلۂ شام و سحر یوں ہی نہیں ہے

ہر بات کی ہوتی ہے خبر غیر کو کیسے
دیوار سے وابستہ یہ در یوں ہی نہیں ہے

دن رات سلگتی ہوں میں سگریٹ کی مانند
پینے کا یہ بیکار ہنر یوں ہی نہیں ہے

تیشہ لئے ہاتھوں میں نگار اب کے چلی ہو
اعجازِ محبت کا سفر یوں ہی نہیں ہے



ذوالفقار ہمدم اعوان

سانسوں کا تسلسل بھی مگر یونہی نہیں ہے
شانے پہ ترے میرا یہ سر یونہی نہیں ہے

چاہوں کہ میں اب ساتھ ترے دنیا بسا لوں
ہاں چاند کی جانب یہ سفر یونہی نہیں ہے

وعدہ ہے ملاقات کا جو پیشِ نظر ہے
دن رات کے چکر پہ نظر یونہی نہیں ہے

دل کا بھی کوئی تم سے تعلق ہے یقیناً
ہجراں میں ترے آنکھ یہ تر یونہی نہیں ہے

زہرا کا جو اک بال ہوا پردے سے باہر
تاخیر پہ مائل یہ سحر یونہی نہیں ہے

کچھ تو اے مری جان رقیبوں سے کہا ہے
گردش میں جدائی کی خبر یونہی نہیں ہے

آمد سے تری ہوں گی یہ خوشیاں دو بالا
نکھرا ہوا یہ رنگِ سحر یونہی نہیں ہے

دن رات میں ہمدم تری فرقت میں جلا ہوں
ناسور مرا زخمِ جگر یونہی نہیں ہے



رزاق تحسینؔ

چلتے ہوئے راہوں کا سفر یوں ہی نہیں ہے
یہ عشق ہے، ہو گا نا! اثر یوں ہی نہیں ہے

ہر زخم ترے پیار میں ناسور ہوئے ہیں
یہ زخم ہرا دیدۂ تر یوں ہی نہیں ہے

دریاؤں کا وہ ربط بھی آنکھوں میں ہے ٹھہرا
پرکھا ہے نگاہوں نے، یہ سر یوں ہی نہیں ہے

تُو روٹھ بھی جائے تو اشارے تجھے ڈھونڈیں
جو ہے ترے دل میں وہ ہنر یوں ہی نہیں ہے

جھکنا تجھے ہو گا، ہے محبت کی گواہی
یہ لاج تو گہنا ہے مگر یوں ہی نہیں ہے

ہاں بھونروں نے چھینی ہے گلستان کی رنگت
پھولوں کی نزاکت میں کسر یوں ہی نہیں ہے

دریا کی روانی میں کوئی قید نہیں ہے
اچھا ہے یہ تحسینؔ بھنور یوں ہی نہیں ہے

روبینہ شاہین بیناؔ

بچے ہیں کئی، شورش و شر یونہی نہیں ہے
ہر وقت مرے گھر میں غدر یونہی نہیں ہے

چینل کی طرح کھلتی ہے آ کر میرے آگے
ہمسائی کی جاسوس نظر یونہی نہیں ہے

چاول کے ولیمے پہ بلایا گیا جس کو
وہ محوِ مٹر گشت مٹر یونہی نہیں ہے

بچپن میں یونہی ہم بھی "بلونے" سے رہے ہیں
اولاد ہماری بھی چلر یونہی نہیں ہے

دیتا ہے ٹریننگ تجھے محتاط روی کی
رستے میں مری جان گٹر یونہی نہیں ہے

"سو کام خوشامد سے نکلتے ہیں جہاں میں"
باتوں میں پڑے باس بٹر یونہی نہیں ہے

میک اپ کی تہوں میں کہیں گم گشتہ ہے بیناؔ
نکھرا ہوا دُلہن کا کلر یونہی نہیں ہے



سازؔ دہلوی

پھولوں سے مہکتی یہ سحر یوں ہی نہیں ہے
گل برگ پہ شبنم کا گہر یوں ہی نہیں ہے

جنّت سے نکالا تھا کہ کر لے گا تلافی
آدم کا خرابے میں گزر یوں ہی نہیں ہے

سہتے ہیں خموشی سے ہر اک زخم تمنّا
دل والوں میں اعجازِ نظر یوں ہی نہیں ہے

ہے تابِ رخِ یار سے ہر سمت اجالا
روشن مرے خوابوں کا نگر یوں ہی نہیں ہے

شاہیں ہوں قفس کے ہی اڑا ڈالوں نہ پرزے
پنکھوں کی مرے قینچ کتر یوں ہی نہیں ہے

وہ رشکِ قمر پہ مرے رکھتا ہے نگاہیں
آنگن میں مرے گھر کے قمر یوں ہی نہیں ہے

ہر شعر ہے گنجینۂ معنی سے لبالب
یہ سازؔ بھی استادِ ہنر یوں ہی نہیں ہے



سالکؔ جونپوری

شامل بھی ہوئے برق و شرر یوں ہی نہیں ہے
جلتا ہوا اس دل کا نگر یوں ہی نہیں ہے

دیوار سے ٹکراتا رہا ایک زمانہ
دیوار میں کھلتا ہوا در یوں ہی نہیں ہے

ماں باپ نے مشکل سے ہی بچوں کو سکھایا
بچوں کے بھی ہاتھوں میں ہنر یوں ہی نہیں ہے

حالات وبائی ہی بتاتے ہیں کہ حضرت
"یہ سلسلۂ شام و سحر یوں ہی نہیں ہے"

جس بات میں اس دل کا کوئی نام بھی آ جائے
اس بات کی اس دل کو خبر یوں ہی نہیں ہے

بے چین جو اک دل ہو کہاں اس کو خبر ہو
اک چین بھی ہوتا ہے مگر یوں ہی نہیں ہے

اک عمر لگی آہ کو تب جا کے بنی بات
لکھیں یہاں آہوں کا اثر یوں ہی نہیں ہے

مالک سے دعائیں ہیں عنایت کی نظر ہو
مشکل ہے سفر زادِ سفر یوں ہی نہیں ہے



سیّدہ منور جہاں منوّر

لٹکا ہوا گردوں پہ قمر یوں ہی نہیں ہے
قدرت کا کرشمہ اے بشر یوں ہی تھہیں ہے

کھانے کا تو خمیازہ اٹھانا ہی پڑے گا
دھرتی پہ یہ گندم کا شجر یوں ہی نہیں ہے

تپتا ہے نہ گرمی میں نہ سردی میں ہو ٹھنڈا
مٹّی سے بنایا ہوا گھر یوں ہی نہیں ہے

ہو جاتا ہے سرکش یہ بہت جبر کے آگے
دشمن سپہ گراں بار یہ سر یوں ہی نہیں ہے

وا کرتا ہے ادراک کا ہر بند دریچہ
بنیادِ ترقّی ہے ہنر یوں ہی نہیں ہے

دل جھکتا نہیں سر کو جھکانے کا صلہ کیا
نادان دعاؤں میں اثر یوں ہی نہیں ہے

تو اپنی تب و تاب کو پہچان منوّر
انساں کی کسوٹی ہے نظر یوں ہی نہیں ہے



سیّدہ منور جہاں منوّر

روشن یہ سرِ شام قمر یونہی نہیں ہے
اور اس پہ زمانے کی نظر یونہی نہیں ہے

وَالّیل سے والشّمس سے کچھ فیض ہے حاصل
"یہ سلسلۂ شام و سحر یوں ہی نہیں ہے"

جب پاؤں دئے رب نے تو چلنا ہی پڑے گا
دنیا میں کوئی راہ گزر یوں ہی نہیں ہے

ان کو بھی مری یاد ستاتی ہے یقیناً
بیتاب یہ دل آج اِدھر یوں ہی نہیں ہے

انسان کی اوقات بتانے کو ہے کافی
اک زیرِ زمیں خاک کا گھر یوں ہی نہیں ہے

ہر گام پہ دیکھے گا وہ اچھائی برائی
انسان کے چہرے پہ نظر یوں ہی نہیں ہے

کیوں کام میں لاتی نہیں آپ اس کو منوّر
گر شعر نگاری کا ہنر یوں ہی نہیں ہے



عبدالغنی ماہرؔ

قاتل سی نگاہوں میں اثر یوں ہی نہیں ہے
ہو جاتے ہیں بسمل کہ نظر یوں ہی نہیں ہے

تھا نیم کشیدہ ہی وہ اک تیر نظر کا
لبریزِ خلش ورنہ جگر یوں ہی نہیں ہے

اِک عمر گزر جاتی ہے، امیدِ وفا پر
حاصل بھی حسیں شام و سحر یوں ہی نہیں ہے

آہوں سے لپٹنا ہے کبھی غم سے نپٹنا
یہ زیست بھی آسان بسر یوں ہی نہیں ہے

ہر روز مصیبت نئی راہوں میں ملے گی
خاروں بھری دنیا میں سفر یوں ہی نہیں ہے

کچھ راز وہ آنکھوں میں تھا، کچھ بات زباں پر
کوچے میں مراان کے گزر یوں ہی نہیں ہے

بے موجِ تخیل کو بھی دے جان غزل سے
ماہرؔ سے سخنور کی قدر یوں ہی نہیں ہے



عبدالغنی ماہرؔ

چھوڑا اگلوں کے واسطے گھر یوں ہی نہیں ہے
بلبل نے لیا نوچ وہ پر یوں ہی نہیں ہے

اِک شمع میں الفت کا شرر یوں ہی نہیں ہے
پروانوں میں مرنے کا ہنرنر یوں ہی نہیں ہے

سایہ بھی بچھایا کبھی بارش سے بچایا
برسوں میں ہوا بوڑھا شجر یوں ہی نہیں ہے

دن کو یہ منور کرے اور رات کو روشن
قدرت کے نشاں شمس و قمر یوں ہی نہیں ہے

حالات بگڑ جائیں، ہوں رشتوں میں دراڑیں
گفتار بدی کا تو اثر یوں ہی نہیں ہے

مالک نے یہ انسان کو اشرف جو بنایا
مخلوق میں ممتاز بشر یوں ہی نہیں ہے

ظالم کی ہی سازش ہے جلا شہرِ محبت
اخبار میں آئی یہ خبر یوں ہی نہیں ہے

کھا کر بھی کئی زخم وہ میدان نہ چھوڑا
دشمن پہ رہا بھاری نڈر یوں ہی نہیں ہے

تنہائی میں ماہرؔ کو تری یاد ستائی
غم دل پہ مرے بارِ دگر یوں ہی نہیں ہے

سیّد خورشید سہرامی بکسروی

نعتِ رسول پاک ﷺ

یوں نور سے لبریز نگر یونہی نہیں ہے
طیبہ میں حسیں شام و سحر یونہی نہیں ہے

یہ الفتِ سرکار ﷺ کا ثمرہ ہے جہاں میں
معمور محبت سے جگر یونہی نہیں ہے

پڑھتی ہیں یہاں تتلیاں نعتِ شہ کونین ﷺ
ہر ذرہ مدینے کا گہر یونہی نہیں ہے

ذکرِ شہ کونین ﷺ ازل سے ہے، رہے گا
"یہ سلسلۂ شام و سحر یونہی نہیں ہے"

رہتا ہے گزارا درِ سرکار ﷺ پہ ہر دم
یہ پھولتا پھلتا ہوا گھر یونہی نہیں ہے

خورشید نظارا ہے محمد ﷺ کے کرم کا
احساس میں یہ شمس و قمر یونہی نہیں ہے



محمد سلیم صدیقی

اِس دم سے ہی دم ہے، یہ ڈگر یوں ہی نہیں ہے
قدموں میں ہے جیون کا سفر یوں ہی نہیں ہے

بیتاب ہوا دل یہ مرا تیری ضیا سے
روشن ہے ترے دم سے سحر یوں ہی نہیں ہے

اِک بار جسے دیکھے تو ہوتا ہے وہ تیرا
چاہت میں اگر اور مگر یوں ہی نہیں ہے

اس عشق کے رستے پہ بھی چلتا ہے مقدر
یہ میرے مقدر کا سفر یوں ہی نہیں ہے

مدت سے مرے سر پہ بھی چھاؤں ہے کرم کی
یہ پیار کا رستے میں شجر یوں ہی نہیں ہے

تعمیل کروں عشق کے ہر موڑ پہ رہبر
اُلفت کا تقاضہ ہے، امر یوں ہی نہیں ہے

نام اس کے یہ میری ہے جو ہر سانس کی ڈوری
میں ہوں جو کسی کا یہ خبر یوں ہی نہیں ہے

صدیقی کیا یاد جواں کو مرے دل نے
سرسبز گلستان اِدھر یوں ہی نہیں ہے



محمد ظہیر قندیل

کچھ بات تو ہے رات کا ڈر یوں ہی نہیں ہے
آنکھوں میں تمنائے سحر یوں ہی نہیں ہے

معصوم پرندے بھی یہاں آتے نہیں ہیں
ہاں مفت میں بدنام یہ گھر یوں ہی نہیں ہے

اشکوں سے کسی کے تو، لگی آگ جڑوں میں
آنگن میں ہوا خشک، شجر یوں ہی نہیں ہے

اک آنکھ کہ پڑھتی ہے یہی صفحہ روزانہ
مدت سے پڑا یہ گلِ تر یوں ہی نہیں ہے

یہ مشقِ سخن، عرضِ ہنر یوں ہی نہیں ہے
ہے عشق بدولت یہ اثر یوں ہی نہیں ہے

تہذیب سکھائی ہے بزرگوں نے یہاں پر
آباد محبت سے یہ گھر یوں ہی نہیں ہے

ہر اہلِ قلم، اہلِ سیاست نے خریدا
اخبار میں اب چھپتی خبر یوں ہی نہیں ہے

خوش شکل نہیں ہے نہ سہی، روح کو دیکھو
وہ داغِ قمر، حسنِ قمر یوں ہی نہیں ہے



نظام آسی قادری قریشی

اپنی بھی مجھے خیر خبر یوں ہی نہیں ہے
مطلوب مجھے آپ کا سر یوں ہی نہیں ہے

اس وقت ہے مُٹھی میں مری اُس کی ضرورت
مجھ پر مرے دشمن کی نظر یوں ہی نہیں ہے

یہ فکر و تجسس کی نظر ڈھونڈھ رہا ہے
"یہ سلسلۂ شام و سحر یوں ہی نہیں ہے"

برگشتہ ہواؤں میں بھی روشن ہے ہمہ تن
وہ دِل میں مرے آٹھوں پہر یوں ہی نہیں ہے

اِک نُور کا پیکر ابھی گزرا ہے اِدھر سے
پُرنور مری راہگذر یوں ہی نہیں ہے



نادیہ سحرؔ

یہ خواب نگر، خواب نگر یوں ہی نہیں ہے
دِل میں مرے بیٹھا ہوا ڈر یوں ہی نہیں ہے

پالا تھا بہت پیار بہت چاؤ سے اس کو
ٹوٹا ہوا دل زادِ سفر یوں ہی نہیں ہے

لوٹ آئے گا اِک دن تو مجھے اتنا یقیں ہے
رستے پہ ترے میری نظر یوں ہی نہیں ہے

نادِم ہوں بہت اپنے کیے پر میرے مالک
سجدے میں جھکایا ہوا سر یوں ہی نہیں ہے

آسیب یہاں بسنے نہیں دیتا پرندے
ویران مرے دل کا شجر یوں ہی نہیں ہے

کس کرب سے گزرا ہے جو بے چین ہے اتنا
کہتے ہیں سمندر میں بھنور یوں ہی نہیں ہے

دِل میرا ہمیشہ رہا ہے کانٹوں کی زد میں
ہر سانس ہی خوں ریز سحر یوں ہی نہیں ہے



نورؔ جمشید پوری

لفظوں میں مرے اِتنا اثر یونہی نہیں ہے
ہر ایک نظر اٹھی اِدھر یونہی نہیں ہے

رکھا ہے اِسے زندہ یہاں کس کی نظر نے
آنگن میں بچا ایک شجر یونہی نہیں ہے

ڈھل جاتے ہیں جذبات جو اشعار میں میرے
آیا جو نظر سب کو ہنر یونہی نہیں ہے

گن پائے نہ ہم بیٹھ کہیں، پاؤں کے چھالے
آسان ہوئی اب جو ڈگر یونہی نہیں ہے

لمحات کئی ماضی کے کر جاتے ہیں شاداب
گلیوں میں تری دل کا گزر یونہی نہیں ہے

رب تان دیا کرتا ہے شب تاروں کی چادر
فٹ پاتھ پہ مفلس کا بسر یونہی نہیں ہے

منظور نہیں چاند کو کہ نورؔ فنا ہو
جاری یہ سدا اس کا سفر یونہی نہیں ہے



نوید ظفر کیانی

اب ہیر سے رانجھے کا مفر یونہی نہیں ہے
کیدو میاں ہیں گھات میں، ڈر یونہی نہیں ہے

اُس پر تیری اوقات کہیں کھل نہ گئی ہو
آیا ہوا لہجے میں بھنور یونہی نہیں ہے

عاشق کو بھلا کون پکڑ سکتا ہے جز دل
کس بات پہ ہے عشق اگر یونہی نہیں ہے

لُوٹا ہے ٹرک اُس نے کوئی حسن گری کا
وہ جلوہ میاں رشکِ قمر یونہی نہیں ہے

سُن کر ابھی آیا ہوں میں تقریر بجٹ کی
بدلا ہوا چہرے کا color یونہی نہیں ہے

"ڈاڑ" کے "تھرڈ" گچی سے پکڑا ہے "مڑے" کو
وہ از رہِ قانون mother یونہی نہیں ہے

یاد آئی ہے مرغے کو کوئی دن کی رفاقت
اِس شب کے پہر بانگِ سحر یونہی نہیں ہے

کھڑکی سے اُنہی کا کوئی کرتا ہے تماشا
ہر شخص کی کھڑکی پہ نظر یونہی نہیں ہے

ہوگا تیری آنکھوں کی طرف سے بھی اِشارہ
دن رات تیرے در پہ ظفرؔ یونہی نہیں ہے



نوید ظفر کیانی

مہنگائی سے دل ہوش بدر یونہی نہیں ہے
اِس دور میں جینا بھی ہنر یونہی نہیں ہے

مجبور ہیں وہ اپنی "جلیبانہ" طبع سے
باتوں میں اگر ہے یا مگر، یونہی نہیں ہے

میک اپ کے کرشمات کا قائل ہے زمانہ
افریقہ پہ یورپ کا کلر یونہی نہیں ہے

یاروں نے اڑنگی سے نوازا ہے یقیناً
عالم میں کوئی خاک بسر یونہی نہیں ہے

مضروب کیا ہے کسی کاکی کے پدر نے
بستر پہ کوئی جانِ پدر یونہی نہیں ہے

اُس پھول سے پیکر میں بھی کیا گیس بھری تھی
حیرت زدہ ہر بندہ بشر یونہی نہیں ہے

پڑ سکتی ہے ناشدنی کبھی میرے گلے بھی
پھپھو کی بڑی بیٹی کا ڈر یونہی نہیں ہے

اِک دوجے پہ جلسوں میں بہت بھونکے ہیں لیڈر
یہ شام کو مل جل کے ڈنر یونہی نہیں ہے

ہر شخص نے ٹھانا ہے علم اپنی ہی "میں" کا
یہ نظمِ جہاں زیر و زبر یونہی نہیں ہے

جیتا ہے کس رن کی محبت کو دعا سے
اس رن میں ظفر یاب ظفرؔ یونہی نہیں ہے



ہاشم علی خان ہمدمؔ

احساس کے دھارے پہ سفر یوں ہی نہیں ہے
تجھ تک ہے مرا خواب سحر یوں ہی نہیں ہے

وجدان ہوا نقش قدم دیکھ رہا ہوں
آئینۂ دِل پیش نظر یوں ہی نہیں ہے

یہ ذوق جنوں دشت حقیقت کا سفر ہے
صحرا میں کوئی خاک بسر یوں ہی نہیں ہے

شب گیر چراغوں میں ستاروں کی نمو ہے
یہ اشک نما لعل و گہر یوں ہی نہیں ہے

کھینچے ہیں محبت سے خد و خال کسی نے
مٹی کا بدن رشک قمر یوں ہی نہیں ہے

پہلے بھی ہرے ہو کے گراں بار ہوئے ہیں
سر سبز درختوں پہ ثمر یوں ہی نہیں ہے

دن رات سلگتا ہوں، میں سگریٹ نہیں پیتا
لیکن مرے سینے میں شرر یوں ہی نہیں ہے

حیرت ہے کہ جو یوں ہے اسے یوں نہیں کہنا
پھر کیا ہے مری جان! اگر یوں ہی نہیں ہے

جی جان کی بازی ہے، یہ ہونا بھی کسی کا
لازم ہے محبت بھی مگر یوں ہی نہیں ہے

دو چار قدم دور مرا پریم نگر ہے
کچی ہے مگر دل کی ڈگر یوں ہی نہیں ہے

یہ خواب خیالی تو نزاکت ہے بدن کی
اشعار میں یہ پتلی کمر یوں ہی نہیں ہے

اعراب سے بڑھ جاتی ہے اوقات سخن کی
یہ زیر نہیں یوں ہی ، زبر یوں ہی نہیں ہے

دن رات محبت کا نشہ کھینچ رہا ہے
احساس ترا آٹھوں پہر یوں ہی نہیں ہے

خود کو بھی گنوا دیں تو خسارا نہیں ہوتا
قسمت میں یہ مخلوط کمر یوں ہی نہیں ہے

یوں ہی نہیں کہتا کہ محبت مری تم ہو
آنکھوں میں نمو، دل پہ اثر یوں ہی نہیں ہے

ہر چیز تری یاد سے منسوب کیے ہوں
یہ شہر مری راہ گزر یوں ہی نہیں ہے

دونوں ہی محبت میں گرفتار ہوئے ہیں
یہ پیار ادھر اور ادھر یوں ہی نہیں ہے

آزاد فضاؤں کو نمودار کرے گا
یہ گھر ہے پرندوں کا شجر یوں ہی نہیں ہے

ہجرت کی علامت کہ اسیری کا اشارا
رستے میں پڑا کونج کا پر یوں ہی نہیں ہے

اور اک مرا دل کی صدا دیکھ رہا ہے
دیوار میں ہوتا ہوا در یوں ہی نہیں ہے

تخلیق سے تجدید تلک اس میں رہوں گا
یہ خاک مرے خواب کا گھر یوں ہی نہیں ہے

اک عمر گزر جاتی ہے اس دشت میں ہمدمؔ
تصویرِ سخن، حرفِ ہنر یوں ہی نہیں ہے

ہر ماہ نئے رنگ

پہلا ہفتہ: طرحی مشاعرہ رنگ

دوسرا ہفتہ: منفرد ردیف رنگ

تیسرا ہفتہ: منفرد قوافی رنگ

چوتھا ہفتہ: پابند ردیف رنگ

ان شاءاللہ